تفسیر روح البیان (از علامہ اسماعیل حقیؒ) ۔ منہج و اسلوب

(TafsirRuhul Bayan, characteristics, style, principle, and methodology)

ڈاکٹر ثمینہ سعدیہ[1]

ڈاکٹر فرحت عزیز[2]

Abstract:

In this article, we will discuss the *TafsirRuhul Bayan, characteristics, style, principles, and methodology* by *İsmail* HakkıBursevî (died 1127 AH). First of all, we will describe the prophetic responsibilities. Than the practices of the Holy Prophet (S.A.W) into different dimensions when he explained the commandments of Allah as first interpreter of the Holy Qur'an i.e. recitation, refinement, and teachings etc. The Mystic Interpretation of by *İsmail* HakkıBursevî is basically an interpretation of (Tafsir e Ishari). The reason is that in his commentary the Monotheism theory discussed. Similarly, other mystic debates, such as the truth of the Prophetic of Muhammadiya (SAW),is also discussed in several commentaries of the verses. He has the authority of the Hanafi jurisprudence in describing the real problems. He describes the theories of the contextual history of the Holy Qur'an, Cancellation, Qirat al Quran and the discourse about the Mutashabihat of the Qur'an in detail. He discussed the weak and Israeli traditions. Some have denied and some have made statements by him and he left descriptive criticism on some interpretation as well. His Interpretation contains eloquent arguments such as metaphors, kinship definitions and the opportunity is mentioned. His interpretation is written on the mystical style of the Holy Quran. His Interpretation covered all aspects of the TafsirBilMathhora and BilRai.

Keywords: TafsirRuhul Bayan, characteristics, style, principle, methodology.

[1] ۔ اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سینٹر پنجاب یونیورسٹی

[2] ۔ ایسوسی ایٹ پروفیسر، لاہور کالج فار ویمن یونیورسٹی

علامہ اسماعیل حقیؒ بن مصطفیٰؒ (۱۱۳۷ھ، ۱۸۱۵ء)[3] بلغاریہ کے شہر آیدوس میں پیدا ہوئے۔آپ نے ابتدائی علوم اسی شہر سے حاصل کیے، پھر آپ استنبول تشریف لے گئے۔ جہاں آپؒ نے شیخ عثمان فضلی انبازاری کی صحبت اختیار کی اور ان سے علوم حاصل کیے۔ بعدازاں مصر میں شیخ ابراہیم برماوی ازہری اور دمشق میں شیخ محمد بن عبدالباقی حنبلی سے ملے ان سے اجازتِ حدیث طلب کی اور انہوں نے اجازت دے دی۔ پھر علامہ اسماعیل حقیؒ استنبول تشریف لے گئے اور یہاں وعظ وتذکیر میں مشغول ہو گئے۔ کچھ عرصہ البانیہ میں اقامت پذیر ہونے کے بعد دولتِ عثمانیہ کے دارالخلافہ بروسہ تشریف لے گئے اور وہاں ایک خانقاہ تعمیر کی۔ جہاں تصنیف وتالیف، نصیحت وارشاد اور وعظ وتذکیر میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ سن ۱۱۳۷ھ میں وفات پائی۔[4]

علامہ اسماعیل حقیؒ عالم، مفسّر، اصولی، فقیہ، متکلم، صوفی اور واعظ ہیں۔آپ کے علمی مقام کا اندازہ آپ کی کثیر تصانیف سے ہوتا ہے۔ ذکر کیا گیا ہے کہ آپ کی سو سے زائد تصانیف ہیں۔ علامہ کوثریؒ نے ان میں سے چالیس کا ذکر فرمایا ہے۔[5]

تفسیرِ روح البیان کی تالیف کا سبب علامہ اسماعیل حقیؒ اپنے مقدمہ میں ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں کہ میرے استاد جو حضرت عثمانؓ بن عفان کے ہم نام ہیں اور قسطنطنیہ میں مقیم ہیں کا ارشاد ہوا کہ تم شہر بروسہ (جو اولیاء کرام کا مرکز ہے) کی طرف چلے جاؤ۔ حسبِ حکم ۱۰۶۰ھ میں وہاں پہنچا تو وہاں سوائے وعظ ونصیحت کے اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔اس سے قبل جب میں روم کے بعض شہروں میں مقیم تھا تو میرے پاس چند صحیفے جمع تھے۔ان میں تفاسیر اور دیگر علوم جمع کیے گئے تھے۔ وہ بھی سورۃ آل عمران سے کچھ تھوڑا سا آگے کی تفسیر پر مشتمل تھا اور ان میں طوالت کے باوجود متفرق اوراق تھے۔ میرا ارادہ ہوا کہ ان کا خلاصہ بیان کروں اور ان میں جو کمی بیشی ہو ترمیم و تنسیخ کروں اور جو مضامین پڑھانے کے لائق ہوں ان کا اضافہ کروں۔[6]

3۔ عمر رضا کحالہ، معجم المؤلفین، داراحیاء التراث العربی بیروت، ج۱، ص۲۶۶

4۔ حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبداللہ الرومی الحنفی، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، دارالفکر بیروت لبنان، ۱۹۹۴ء، ص:۵۲۸

5۔ محمد زاہد الکوثری، مقالاتِ کوثری، مکتبۃ الوفیقیہ القاہرہ مصر، ص،۴۱۹۔۴۲۰

6۔ حقیؒ، اسماعیل حقیؒ بن مصطفیٰ امام (م۱۱۳۷ھ)، روح البیان فی تفسیر القرآن، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ۱/۲۱

تفسیر روح البیان میں علامہ حقّیؒ نے جس منہج واسلوب کو اختیار کیا ہے اس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:۔

ا۔ تفسیر بالماثور کا التزام:۔

تفسیرِ قرآن میں سب سے اہم چیز تفسیر بالماثور ہے یعنی قرآن کریم کی تفسیر، احادیث نبویہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ اور تابعین کرامؒ کے اقوال وآثار سے کرنا۔ اس کا التزام ہر دور کے مفسّرین کرتے چلے آئے ہیں۔ علامہ حقّیؒ کا تفسیر القرآن بالقرآن میں ایک اسلوب تو یہ ہے کہ آپؒ کسی آیت میں وارد ہونے والے قرآنی الفاظ کی تفسیر بیان کرنے کے لیے دیگر ایسی آیات لاتے ہیں جو اس قرآنی لفظ کے معنی پر دلالت کرتی ہیں۔ آیتِ مبارکہ "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ "[7] کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں:"مغضوب علیهم سے مراد یہود ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا: مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَيْهِ[8] اور الضّالون سے مراد نصاری ہیں جیسا کہ اللہ نے ان کے حق میں فرمایا: وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا [9]

علامہ حقّیؒ کا تفسیر القرآن بالقرآن میں دوسرا اسلوب یہ ہے کہ آپ آیاتِ مبارکہ کی تفسیر وتوضیح کے لیے دیگر آیاتِ مبارکہ لاتے ہیں جس سے آیاتِ مبارکہ کا مفہوم زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ آیتِ مبارکہ وَ الَّذِيْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا [10]

اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ولم یسرفوا کے معنی ہیں اور حد سے نہیں بڑھے یعنی احسان وکرم کی حد سے متجاوز نہیں ہوئے۔ ولم یقروا اور تنگی نہیں کی یعنی بخیل کی طرح مال کو چھپا کر نہیں رکھ دیا۔[11] اس آیتِ مبارکہ کی توضیح

7۔ الفاتحہ:۷

8۔ سورۃ المائدہ:۶۰

9۔ سورۃ المائدہ:۷۷

10۔ سورۃ الفرقان:۶۷

11۔ تفسیر روح البیان: ج۶، ص ۲۴۴۔۲۴۵

میں سورۃ الاسراء کی درج ذیل آیتِ مبارکہ لائے ہیں: وَ لَا تَجۡعَلۡ یَدَکَ مَغۡلُوۡلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَ لَا تَبۡسُطۡہَا کُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا [12]

تفسیر القرآن بالقرآن کی ایک قسم مطلق کی تقیید اور عام کی تخصیص بھی ہے۔ علامہ اسماعیل حقیؒ نے اسے بھی مد نظر رکھا ہے۔ سورۃ المائدہ میں مذکور مطلق لفظ الدم کی تقیید سورۃ الانعام میں مذکور دما مسفوحا سے کی ہے۔ اسی طرح سورۃ البقرہ میں بیوہ عورتوں کی عدت کے عمومی حکم سے سورۃ الطلاق میں حاملہ عورتوں کی عدت کے تخصیصی حکم کو بیان فرمایا ہے۔

علامہ حقیؒ قرآنِ کریم کی آیاتِ مبارکہ کی تفسیر احادیثِ نبویہ سے بھی کرتے ہیں۔ سورتوں کے فضائل میں بھی احادیثِ نبویہ ذکر کی ہیں۔ مثلاً آیتِ مبارکہ وَ اَعِدُّوۡا لَہُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّۃٍ وَّ مِنۡ رِّبَاطِ الۡخَیۡلِ تُرۡہِبُوۡنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَ عَدُوَّکُمۡ وَ اٰخَرِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِہِمۡ ۚ لَا تَعۡلَمُوۡنَہُمۡ ۚ اَللّٰہُ یَعۡلَمُہُمۡ ؕ وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیۡکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ [13] کی تفسیر میں درج ذیل حدیثِ نبوی سے استدلال کیا ہے:

آپ ﷺ نے فرمایا: الا ان القوۃ فی الرمی [14] خبردار جنگی طاقت صرف تیر اندازی میں ہے۔[15]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ [16] اس آیتِ مبارکہ کے ضمن میں روزہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے درج ذیل حدیث بیان فرمائی: آپ ﷺ نے فرمایا: اے نوجوانو! تم میں سے جس کی طاقت روزوں پر ہو اسے چاہیے کہ وہ نکاح کرے کیونکہ نکاح سے آنکھ برائی سے بچ جاتی ہے اور فرج زنا سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور جسے نکاح کی طاقت نہیں تو اس پر لازم ہے کہ وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ صرف اسی کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔[17]

---

[12]۔ سورۃ الاسراء: ۲۹

[13]۔ سورۃ الانفال: ٦٠

[14]۔ صحیح مسلم، کتاب الامارہ، باب فضل الرمی والحث علیہ وذمّ من علمہ ثم نسیہ، ۱۹۱۷

[15]۔ تفسیر روح البیان، ج۳، ص ۳٦۴

[16]۔ سورۃ البقرۃ: ۱۸۳

[17]۔ تفسیر روح البیان، ج۱، ص ۲۸۹

تفسیر بالماثور کی ایک صورت تفسیرِ قرآن باقوالِ صحابہ وتابعین بھی ہے۔ صحابہ کرام کے تفسیری اقوال قابلِ حجت ہیں اس پر علماء کرام کا اتفاق ہے۔ تابعین کے تفسیری اقوال کے قبول وعدمِ قبول کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے لیکن اکثر مفسرین کرام کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ تابعین کے تفسیری اقوال قابلِ حجت ہیں۔ علامہ اسماعیل حقّیؒ نے تفسیرِ قرآن میں صحابہ کرامؓ اور تابعین کے اقوال سے بارہا استفادہ کیا ہے۔

۲۔ اسبابِ نزول کا بیان

قرآنِ کریم کی تفسیر کے لیے اسبابِ نزول کا علم نہایت ضروری ہے۔ اسبابِ نزول کی معرفت سے نہ صرف آیت کے صریح معانی منکشف ہو جاتے ہیں بلکہ ان کے سمجھنے میں کسی قسم کا ابہام نہیں رہتا۔ علامہ حقیؒ آیاتِ کریمہ کے اسبابِ نزول کا بھی تفصیلاً ذکر فرماتے ہیں۔ اسبابِ نزول کے بیان میں آپ واقعہ کی نسبت صحابہ کرامؓ اور تابعینِ کرام کی جانب کرتے ہیں۔ بسا اوقات آپ سند ذکر کیے بغیر روی یا قال بعض اھل التفاسیر سے واقعہ بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ثُمَّ لَا یُتۡبِعُوۡنَ مَاۤ اَنۡفَقُوۡا مَنًّا وَّ لَاۤ اَذًی ۙ لَّہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ۚ وَ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ[18]

اس آیتِ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں: قال بعض اھل التفاسیر: نزلت ھذہ الآیۃ ---من المن والاذی۔

یعنی بعض مفسّرین فرماتے ہیں کہ آیتِ مبارکہ حضرتِ عثمانؓ اور حضرتِ عبدالرحمنؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرتِ عثمانؓ کا واقعہ یوں ہے کہ آپ نے غزوہ تبوک کے موقع پر ہزار اونٹ سامان سمیت اور ہزار دینار نقد سامان جنگ کی امداد میں پیش کیے۔ حضور ﷺ نے ان کی اس قربانی پر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ حق میں عرض کی کہ اے اللہ! میں عثمانؓ سے راضی ہوں تو بھی ان سے راضی ہو جا۔ اور حضرتِ عبدالرحمن بن عوفؓ کا واقعہ یوں ہوا کہ انھوں نے چار ہزار دینار نقد بارگاہِ رسالت میں پیش کر کے عرض کی کہ میری کل جائیداد آٹھ ہزار دینار تھی میں نے آدھی راہِ خدا میں پیش کر دی اور آدھی اپنے اہل و عیال کے لیے رکھ چھوڑی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے اس مال میں برکت دے جو تو نے راہِ حق میں پیش کیا اور اس میں بھی جو تو نے اہل و عیال کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔[19]

18۔ سورۃ البقرۃ: ۲۶۲

19۔ تفسیر روح البیان، ج۱، ص۴۱۹

اسی طرح بسا اوقات راوی کے الفاظ سے سببِ نزول بیان کرتے ہیں مثلاً: آیتِ مبارکہ
یٰاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنۡتُمۡ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعۡلَمُوۡا مَا تَقُوۡلُوۡنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیۡ سَبِیۡلٍ حَتّٰی تَغۡتَسِلُوۡا ؕ وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤی اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡکُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَیَمَّمُوۡا صَعِیۡدًا طَیِّبًا فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡہِکُمۡ وَ اَیۡدِیۡکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا غَفُوۡرًا [20] تحت مؤلفؒ لکھتے ہیں: روی: انّ عبدالرحمن بن عوف۔۔۔
ثمّ نزل تحریمها۔[21]

اگر کسی آیتِ مبارکہ کے متعدّد شانِ نزول ہوں تو علاّمہ حقیؒ اُن سب کو بیان فرمادیتے ہیں لیکن نہ تو ان کے مابین ترجیح قائم کرتے ہیں اور نہ ہی تطبیق بیان کرتے ہیں گویا کہ دونوں اسبابِ نزول ان کے نزدیک مقبول ہیں۔

۳۔ بیانِ ناسخ و منسوخ

علامہ اسماعیل حقیؒ نے تفسیرِ قرآن بیان کرتے ہوئے ناسخ و منسوخ آیات کی نشاندہی بھی فرمائی ہے۔ نسخ کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے نسخ کی تین اقسام یعنی صرف قرأت کا منسوخ ہونا حکم کا منسوخ ہونا، قرأت اور حکم دونوں کا منسوخ ہونا بیان فرمایا ہے۔ صاحبِ روح البیان کا نسخ کے بیان میں انداز یہ ہے کہ آپ آیاتِ کریمہ کا فقط ناسخ و منسوخ ہونا بیان فرماتے ہیں۔ اس ضمن میں علماء کرام کے اختلاف سے صرفِ نظر کیا ہے۔ مثلاً آیتِ مبارکہ اَلزَّانِیَۃُ وَ الزَّانِیۡ فَاجۡلِدُوۡا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا مِائَۃَ جَلۡدَۃٍ ۪ وَّ لَا تَاۡخُذۡکُمۡ بِہِمَا رَاۡفَۃٌ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ۚ وَ لۡیَشۡہَدۡ عَذَابَہُمَا طَآئِفَۃٌ مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ [22] کے تحت فرماتے ہیں کہ یہ (سو کوڑے لگانے کا) حکم محصن اور غیرِ محصن دونوں کو شامل تھا۔ پھر شادی شدہ کے لیے یہ حکم منسوخ ہوا اور اس کا ناسخ بھی حکمِ قطعی ہے اس لیے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت ماعز اسلمیؓ کو سنگسار فرمایا تھا۔ یہ نسخ الکتاب بالسنۃ المشہورۃ کے قاعدہ سے ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ شادی شدہ کی حد سو درّے مارنا ہے۔[23]

20۔ سورۃ النسآء: ۴۳

21۔ تفسیر روح البیان، ج۲، ۲۱۲

22۔ سورۃ النور: ۲

23۔ تفسیر روح البیان، ج۶، ص ۱۱۴

نیز آیتِ کریمہ وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۔وَ الَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۔اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا[24] کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس سے مولی الموالاۃ مراد ہیں۔ اہلِ عرب کی عادت تھی کہ ایک حلیف دوسرے حلیف کو اپنے مال کے چھٹے حصّے کا مالک بناتا تھا۔ پھر وہ واولوالارحام بعضهم اولی ببعض سے منسوخ ہو گیا۔[25]

۴۔ قرأتوں کا بیان

قرأتوں کے اختلاف اور ان کے تنوّع میں متعدّد فوائد مضمر ہیں۔ بعض قرأتیں اس قسم کی ہیں جو دیگر قرأتوں کے اجمال کی تفصیل کرتی ہیں اور اسے واضح بنا دیتی ہیں۔ علاّمہ حقیؒ آیاتِ کریمہ کی تفسیر کے دوران مختلف قرأتوں کا بھی ذکر فرماتے ہیں۔ بعض مقامات پر مؤلف فقط قرأت بیان کر دیتے ہیں اور کئی مقامات پر قرأت کو قاری کی جانب منسوب بھی کرتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالی ہے: وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۔وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ[26]

آیتِ مبارکہ میں لفظ یتوفّون کی قرأت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: و قرئ بفتح الیاء ای یسوفون آجالھم و اعمارھم یتوفّون کی یاء کو فتح سے پڑھا جاتا ہے یعنی وہ لوگ جو اپنے اجل اور عمروں کو پورا کر چکے ہیں۔[27]

درج ذیل آیتِ مبارکہ میں علاّمہ حقیؒ نے قرأت کو قاری کی جانب منسوب کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالی ہے:

وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ[28]

24۔ سورۃ النسآء: ۳۳

25۔ تفسیر روح البیان، ۲/۲۰۰

26۔ سورۃ البقرۃ: ۲/۲۳۴

27۔ تفسیر روح البیان، ۱/۳٦٦

28۔ سورۃ المدّثّر: ۵

اس آیت کے تحت مؤلفؒ تحریر فرماتے ہیں: قرأ عاصم فی روایة حفص: الرّجز بالضمّ والباقون بکسرالراء، و معناه واحد وهو الاوثان۔اور بتوں سے دور رہو۔روایتِ حفص میں امام عاصم سے الرجز کو مضموم پڑھا ہے۔ لیکن دونوں کا معنی ایک ہے اور اس سے بت مراد ہیں۔[29]

۵۔ مبہماتِ قرآن

علومِ قرآن کے مباحث میں سے ایک اہم مبحث مبہماتِ قرآن ہے۔ محمد بن علی البلنسی(۷۸۴ھ) مبہمات کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "قرآنِ کریم میں وارد ہونے والا ہر ایسا لفظ جسے اللہ تعالیٰ نے اسمِ علم کے ساتھ ذکر نہیں فرمایا خواہ وہ کسی نبی یا ولی یا ان کے علاوہ ہو آدمی یا فرشتہ یا جن یا شہر، ستارے، درخت یا حیوان ہو یا ایسا عدد ہو جس کی کوئی حد نہ ہو، یا ایسا زمانہ جو بیان نہ کیا گیا ہو یا ایسی جگہ جو معروف نہ ہو مبہمات کہلاتی ہے۔"[30]

علاّمہ حقیؒ مبہماتِ قرآن کو خصوصیت سے بیان فرماتے ہیں خواہ مبہمات کا تعلق زمان سے ہو یا مکان سے آپ تفصیل سے اس پر روشنی ڈالتے ہیں: مثلاً آیتِ مبارکہ فخذ اربعة من الطیر کی تفسیر کرتے ہوئے ان چار پرندوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان چار پرندوں سے مراد مور، کبوتر، کوّا اور مرغا ہیں۔ بعض نے کبوتر کی بجائے گدھ لکھا ہے[31]۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔وَ كَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَ لَا يُصْلِحُوْنَ[32]

علاّمہ حقیؒ رھط کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ رھط تین یا سات سے دس تک لیکن ان میں عورت نہ ہو۔ بقول وھب ان نو اشخاص کے نام یہ ہیں۔ ہذیل بن عبد الرب، غنم بن غنم، یاب بن مہرج، مصدع بن مہرج، عمیر بن کردیہ، عاصم بن مخزمہ، سبیط بن صدقہ، سمعان بن صفی، قدار بن سالف۔[33]

29۔ تفسیر روح البیان، ۱۰/۲۲۶

30۔ البلنسی، محمد بن علی، ابو عبداللہ (م ۷۸۴ھ)، تفسیر مبہمات القرآن، ۱/۳۵، دار الغرب الاسلامی بیروت لبنان، ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۱ء

31۔ تفسیر روح البیان، ج۱، ص۴۱۶

32۔ سورۃ النمل: ۴۸

33۔ تفسیر روح البیان، ج۶، ص۳۵۶

۶۔ حروفِ مقطعات کی تفسیر

علامہ اسماعیل حقیؒ نے حروفِ مقطعات کی تفسیر کرتے ہوئے صوفیانہ طرزِ استدلال اختیار کیا ہے۔اور تشریح وتوضیح کے لیے آپ نے تاویلاتِ نجمیہ اور کشف الاسرار سے استفادہ کیا ہے۔آپ نے ایک موقع پر حروفِ مقطعات کے متعلق فرمایا کہ ان کے بارے میں مناسب ترین قول جمہور کا قول ہے کہ "واللہ اعلم بمرادہ" لیکن ایک مقام پر یہ بھی فرمایا کہ ان کی مراد اللہ جلّ جلالہ اور اولیاء کرام جانتے ہیں۔ایک وہم کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "جو اہلِ ظواہر کہتے ہیں کہ الٓر جیسے حروفِ مقطعات صرف تحدّی کے لیے لائے گئے ہیں۔یہ ان کا وہم اور سراسر غلط بیانی ہے۔اس لیے کہ حروفِ مقطعات معانی واسرارورموز پر مشتمل ہیں۔"[34]

آپؒ تفصیل سے حروفِ مقطعات پر بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"حروفِ مقطعات کا علم مع لوازم وحقائق اللہ جلّ جلالہ اور رسول ﷺ یا پھر ان کے اولیاء کاملین جانتے ہیں۔"

حمعسق کی تفسیر میں لکھتے ہیں: حاء سے حجرِ اسود اور میم سے مقامِ ابراہیم اور عین سے زمزم کا چشمہ اور سین و قاف سے قریشِ سقایہ مراد ہیں۔یعنی جو حجرِ اسود کو بوسہ دے گا وہ معنوی طور پر سردار ہوگا اور جو مقامِ ابراہیم کے پیچھے نماز ادا کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ خلہ سے نوازے گا۔جو زمزم سے قریب دعا مانگے گا اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا اور زمزم کا پانی پیئے گا تو اسے اللہ تعالیٰ شرابِ طہور پلائے گا۔اس کی کوئی بیماری اور درد باقی نہ رہے گا۔"[35]

۷۔ مباحثِ بلاغت

قرآنِ کریم فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے معجزہ ہے۔پس اس فصیح وبلیغ کلامِ الٰہی کی تفسیر وتوضیح کرتے ہوئے صاحبِ روح البیان نے قرآنِ کریم کے بلاغی پہلوؤں مثلاً استعارات، کنایات اور تشبیہات کو بیان فرمایا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا[36]

34۔ تفسیر روح البیان، ج۴، ص۴

35۔ تفسیر روح البیان، ج۶، ص۸۶۸

36۔ سورۃ الفرقان:۲۷

اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: عض الیدین سے ندامت مراد ہے کیونکہ لوگوں کی عادت ہے کہ ندامت کے وقت ہاتھ چباتے ہیں۔ اسی طرح اسے کبھی عضّ الانامل سے اور کبھی اکل البنان اور کبھی حرق الاسنان وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔اور یہاالفاظِ غیظ وغضب اور حسرت سے کنایہ ہیں۔اس لیے کہ یہ الفاظ اس کے مترادفات میں سے ہیں۔[37]

اسی طرح استعارہ کی امثال بھی دی ہیں۔ مثلاًآیتِ مبارکہ :۔

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ[38] میں فأذاقها الله کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے بستی والوں کو مزہ چکھایا۔ذوق بمعنی شے کو منہ سے چکھنا پھر اسے ابتلاء و آزمائش کے معنی میں استعارہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔[39]

تذکیر وتنبیہ کے لیے اللہ ربّ العزت نے قرآنِ کریم میں متعدّد بار تشبیہ و تمثیل کا اسلوب اپنایا ہے۔ مثلاًارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَ اِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۟ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ[40]

علاّمہ اسماعیل حقّیؒ نے اس آیتِ مبارکہ کے بلاغی پہلو کو یوں بیان کیا ہے کہ اس آیتِ مبارکہ میں ان کے رسول اللہ ﷺ کی مجالس میں بیٹھنے کی تشبیہ ان لکڑیوں سے دی ہے جو دیوار کے ساتھ ملا کر رکھی گئی ہیں۔ وجہِ تشبیہ وہی ہے کہ وہ جسم ہیں اور جو عمل وخیر اور اس سے نفع اٹھانے سے خالی ہیں۔اس لیے خشب میں تسنید کا اعتبار کیا گیا ہے۔کیونکہ موٹی لکڑی سے

37۔ تفسیر روح البیان،۶/۲۱۹

38۔ سورۃ النحل: ۱۱۲

39۔ تفسیر روح البیان،۵/۸۹

40۔ سورۃ المنافقون: ۴

صرف اس وقت نفع حاصل کیا جاتا ہے جب وہ چھت میں یا دیوار میں یا ایسی جگہوں میں ہو جہاں سے نفع کا گمان ہو تو جیسے ان لکڑیوں سے کوئی فائدہ نہیں ہے ایسے ہی ان منافقوں سے کوئی نفع نہیں ہے۔[41]

۸۔ فقہی مباحث

علامہ حقیؒ نے اپنی تفسیر میں فقہی مسائل کو خصوصیّت سے بیان فرمایا ہے۔اس ضمن میں آپ کا طریقہ کار یہ ہے کہ آپ آیاتِ احکام کے تحت متعلّقہ مسائل کو بعض اوقات تفصیل سے بیان کرتے ہوئے مسئلہ کے ہر جزو اور پہلو پر تفصیلاً روشنی ڈالتے ہیں اور بعض اوقات مختصر انداز میں بیان کر دیتے ہیں۔ فقہی مسائل کو زیرِ بحث لاتے ہوئے مذاہبِ اربعہ میں سے فقہِ حنفی کو دلائل کے ساتھ ترجیح دیتے ہیں۔ مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ [42]

اس آیتِ مبارکہ کے تحت مؤلف نے لکھا ہے: امامِ اعظم کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح واجب ہے۔ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے پیشانی کے برابر اپنے سر مبارک پر مسح فرمایا تھا اور یہ سر کے چوتھائی حصّہ کے برابر ہوتی ہے۔اس لیے کہ سر کی چاروں طرفیں چار پیشانیوں کے برابر ہیں۔ مثلاً پیشانی کے بالمقابل سر کا پچھلا حصہ گدی تک ایک پیشانی ہوئی۔اس طرح اس کے دونوں کانوں کے اوپر والی دونوں جانبیں بھی دو پیشانیاں بنتی ہیں اور پھر اسی طرح سر کا اوپر کا حصہ ہے۔[43]

بعد ازاں مؤلف نے عقلی دلائل بھی دیے ہیں۔اسی طرح آیتِ سرقہ کے تحت مؤلف نے پندرہ مسائل بیان کیے ہیں۔

41۔ تفسیر روح البیان، ج۹، ص۵۲۶

42۔ سورۃ المائدہ:٦

43۔ روح البیان، ج۲، ص۳۵۰-۳۵۱

۹۔ تصوّف کے مباحث

دوسری صدی ہجری میں ملت اسلامیہ سیاسی اور علمی تفوق میں دیگر تمام اقوامِ عالم سے ممتاز تھی۔اسی دور میں تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت اور دیگر علومِ اسلامیہ میں مسلم مفکرین اور علماء نے بیش بہا تصانیف تحریر فرمائیں۔ان علوم کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں فلسفیانہ اور صوفیانہ نظریات نے بھی جنم لیا۔ بعد ازاں ان نظریات نے باقاعدہ ایک علم کی شکل اختیار کرلی جسے تصوّف کہا جانے لگا۔ تصوف کے عظیم الشان مباحث میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، وحدت الوجود اور وحدت الشہود اور حقیقتِ محمدی وغیرہ شامل ہیں۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی کے بقول: "اربابِ تصوّف اور اساطین روحانیات نے حضور ﷺ کی شخصیت کو تصوف کی اصطلاحات میں بیان کرنا شروع کیا۔ نورِ محمدی، حقیقتِ محمدی، برزخ کبریٰ وغیرہ تصوّف کے بڑے بڑے موضوعات اور میدان ہیں۔ان پر اکابر صوفیاء نے بہت کچھ لکھا ہے۔ [44]"

تفسیرِ روح البیان کا شمار صوفیانہ تفاسیر میں ہوتا ہے۔مؤلف نے جابجاآیاتِ قرآنیہ کے مخفی اور پوشیدہ اسرار کو بیان کیا ہے۔آپ کے تصوّرات واعتقادات پر شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی کے افکار کا اثر پایا جاتا ہے۔صوفیانہ طرز پر لکھی گئی تفسیر کو تفسیرِ اشاری کہا جاتا ہے۔علاّمہ حقّیؒ نے تفسیرِ اشاری کے بیان میں دو طریقے اختیار کیے ہیں۔

(۱)آیاتِ کریمہ کی تفسیرِ اشاری اوراس کے پوشیدہ معنی علامہ حقّی خود بیان کرتے ہیں یا پھر کسی تفسیر سے نقل کرتے ہیں۔

(۲) تفسیرِ اشاری کے متعدّد نکات ' تاویلاتِ النجمیہ ' سے نقل کیے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ ۚ وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ ۚ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ [45]

44۔ محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضراتِ سیرت، الفیصل ناشرانِ وتاجرانِ کتب لاہور، ۲۰۰۷، ص ۹۳ ۔ ۹۴

45۔ سورۃ الانعام: ۱۵۱

مؤلف آیتِ مذکورہ کے تحت فرماتے ہیں: "دراصل قتلِ حق یہ ہے کہ بندہ طلبِ حق میں مرجائے اور جو راہِ حق میں مرجائے حقیقتاً وہ زندہ ہے۔[46]

۱۰۔ عقیدہ وحدت الوجود

علامہ اسماعیل حقّیؒ شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی کی تعلیمات کے پیروکار ہیں۔اسی لیے آپ کی تفسیر میں ابنِ عربی کے فلسفہ وحدت الوجود کا عکس پایا جاتا ہے۔ابنِ عربی کی کتب وآثار کی اساس اور دار ومدار اور خیالات نظریہ وحدت الوجود کے گرد ہی گھومتے ہیں۔ وحدت الوجود ہی گویا ان کے دین اور روح وفکر کا محور تھا۔ شیخ ابنِ عربی نے اپنی کتاب فصوص الحکم میں لکھتے ہیں:

"وجود حقیقت ہے اور اس کے برعکس جو بھی ہمیں حواس کے ذریعے محسوس ہوتا ہے۔ مثلاً موجوداتِ خارجی اور جو عقل سے معلوم ہوتا ہے مثلاً خدا اور عالم، حق اور خلق کی دوئی اور حقیقتِ وجود کا تکثّر و تعدّد۔یہ دوئی نہیں بلکہ حق اور خلق ایک ہی حقیقتِ فریدہ اور عینِ واحد کے دو پہلو ہیں۔اگر اس پر جہتِ وحدت سے نظر کیجیے تو اسے حق پائیے گا۔اور حق کہیے گا اور اگر جہتِ کثرت سے دیکھے تو خلق دیکھے گا اور خلق کہے گا۔"[47]

علامہ حقّی عقیدہ وحدۃ الوجود کو علامہ ابنِ عربی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

" سیّدنا شیخِ اکبر نے فرمایا: کل موجودات اگرچہ باطل سے موصوف ہوں تب من حیث الموجود حق ہیں۔لیکن جس پر سلطان المقام (ولی اللہ) کا غلبہ ہوتا ہے وہ تمام ماسوی اللہ کو باطل سمجھتا ہے کہ من حیث ہو ذاتی طور پر اس کا کوئی وجود نہیں۔بنا بریں وہ عدم کے حکم میں ہے۔لبید شاعر کے بقول ما خلا اللہ باطل میں باطل سے یہی مراد ہے۔یعنی ماسوا اللہ باطل کی طرح ہے۔اس لیے کہ عالم کا ذرّہ ذرّہ اپنے طور پر نہیں بلکہ وہ وجودِ باری تعالیٰ سے قائم ہے۔اسی اعتبار سے اسے باطل کہا جاتا ہے۔وہ عارف باللہ جو مقاماتِ قرب میں عرفان کی ابتدائی منزلیں طے کررہا ہوتا ہے اسے بسا اوقات تمام موجودات لاشئے نظر

46۔ تفسیر روح البیان، ج۳، ص۱۱۸

47۔ ابن عربی ، محمد بن العربی ،ابو بکر محی الدین ، فصوص الحکم ،مترجم، محمد برکت اللہ لکھنوی(شرحِ ادریسی)، تصوّف فاؤنڈیشن لاہور،۱۹۹۹ء، ص۷۹۔۸۸

آتی ہیں اور وہ اسی عرفان کی وجہ سے مشاہدہ خلق سے محجوب ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اس دوران وجود سے بالکل فارغ ہو جاتا ہے۔ ہاں جب اس کی عرفان کی منزلیں مکمل ہو جاتی ہیں تو وہ آن واحد میں خالق و مخلوق کے وجود کا مشاہدہ کرتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اس مقام کو ہر کوئی نہیں حاصل کر سکتا بلکہ خاص بندوں کو یہ مرتبہ نصیب ہوتا ہے۔ کیونکہ اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ اگر انہیں خلق کا مشاہدہ ہوتا ہے تو انہیں خالق کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ اور اگر خالق کا مشاہدہ ہوتا ہے تو مخلوق کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ اور وحدۃ الوجود کا مسئلہ اسے سمجھ آجائے گا جسے اجتماع الضدّین کا ادراک حاصل ہو۔"[48]

۱۱۔ حقیقتِ محمدیہ ﷺ

علامہ حقیؒ نے اپنی تفسیر میں حقیقتِ محمدیہ کی بحث کو جا بجا بیان کیا ہے۔ حقیقتِ محمدیہ ﷺ کا موضوع تصوّف کے اہم مباحث میں سے ہے۔ علامہ حقیؒ نے حقیقتِ محمدیہ ﷺ پر بحث کرتے ہوئے یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت آدمؑ کی پیدائش سے قبل موجود کیے گئے۔ لہذا آپ خلقت کے اعتبار سے بھی اوّل ہیں اور نبوّت کے اعتبار سے بھی اوّل ہیں۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو اپنے نور سے پیدا کیا لہذا نورِ محمدی کو تمام مخلوقات میں اوّلیّت حاصل ہے۔ علامہ حقیؒ نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے وہ نہایت درجے کی ضعیف یا موضوع ہیں۔ یہ احادیث درج ذیل ہیں۔

حدیث: (۱) لولاک لما خلقت الافلاک[49]

(۲) اول ما خلق اللہ نوری[50]

48۔ تفسیر روح البیان، ج۴، ص۲۰۹

49۔ یہ حدیث متن کے اختلاف کے ساتھ مختلف کتب میں مذکور ہے۔ دیکھیے: قاضی عیاض، ابو الفضل عیاض بن موسی، الشفاء بتعریفِ حقوقِ مصطفی، تحقیق: علی محمد البجاوی، مطبعہ عیسیٰ البابی و شرکاؤہ، قاہرہ، ۱۳۹۸ھ، ۱۹۷۷ء، ۱/۲۲۸؛ الھیثمی، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر، مجمع البحرین فی زوائد المعجمین، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، ۱۹۹۸ء، ۳/۳۵۸؛ النبہانی، یوسف بن اسماعیل، جواہر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ، شرکہ مکتبہ و مطبعہ مصطفی البابی الحلبی و اولادہ بمصر، ۱۹۶۰ء، ج۱، ص۲۵۵، ج۲، ص۲۲۵

50۔ الدیار بکری، حسن بن محمد بن الحسن، تاریخ الخمیس فی أحوالِ انفسِ نفیس، دارِ صادر بیروت، ج۱، ص۱۹۔ الحلبی، علی بن برھان الدین، السیرۃ الحلبیہ فی سیرۃ الامین المامون، دار المعرفہ، ج۱، ص۲۴۰۔ مولانا عبد الحہ لکھنوی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: حدیث "اوّل ما خلق اللہ

(۳) کنت نوراً بین یدی ربّی قبل خلق آدم۔۔۔ذالک النور فی صلبه[51]

"میں حضرت آدمؑ کی پیدائش سے چودہ ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں نور تھا جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتا تھا۔ان کو دیکھ کر ملائکہ کرام ان کی تقلید میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے تھے۔جب آدم پیدا ہوئے تو وہ نور حضرت آدم کی پشت میں رکھا گیا۔

نور سے متعلق ایسی روایات کے بارے میں علامہ ندوی تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''روایتوں میں ہے کہ یہ نور پہلے ہزاروں برس سجدہ میں پڑا رہا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کے تیرہ تار جسم کا چراغ بنا پھر آدمؑ نے مرتے وقت شیثؑ کو اپنا وصی بنا کر یہ نور ان کے سپرد کیا۔اس طرح یہ درجہ بدرجہ ایک سے دوسرے پیغمبر کو سپرد ہوتا ہوا حضرت عبداللہ کو سپرد ہوا اور حضرت عبداللہ سے حضرت آمنہ کو منتقل ہوا۔نور کا سجدہ میں پڑے رہنا اور اس کا موجود ہونا بالکل موضوع ہے اور نور کا ایک وصی سے دوسرے وصی کو درجہ بدرجہ منتقل ہوتا رہنا بے سروپا ہے۔[52]

(۴) حضرت عمر بن الخطاب سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت آدمؑ نے اپنی لغزش کا اعتراف کیا تو عرض کی یا اللہ میں تجھے حضورِ نبی ﷺ کا واسطہ دیتا ہوں میری لغزش معاف فرما۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم تم نے حضرتِ محمد ﷺ کو کیسے پہچانا حالانکہ میں نے انہیں ابھی پیدا نہیں فرمایا۔عرض کی یا اللہ جب تو نے مجھے پیدا فرمایا اور میرے اندر اپنی روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے عرش کے پایہ پر لکھا دیکھا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں نے اس سے معلوم کیا کہ تو

نوری" لفظی اور معنوی طور پر ثابت نہیں ہے اور یہ حدیث" لو لاک لما خلقت الافلاک" کی طرح عوام وخواص اور قصّہ گو لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہو گئی ہے۔دیکھیے الآثار المرفوعہ فی الاَخبار الموضوعہ، ص،۳۵

51۔ الشفاء، ج۱، ص ۱۰۹۔ تاریخ الخمیس، ج۱، ص۲۱۔ السیوطی، عبد الرحمن بن ابی بکر، جلال الدین، الدّر المنثور فی تفسیر المأثور، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۰ء، ج۳، ص ۵۲۶

52۔ شبلی نعمانی، علامہ، سیرت النبی ﷺ، ادارہ اسلامیات، ج۱، ص ۲۵

نے اپنے محبوب نام کے ساتھ محبوب ترین نام کو جمع کیا ہے،اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اے آدم تو نے سچ کہا وہ واقعی میرے محبوب ہیں ان کے وسیلہ سے میں نے تمھیں بخش دیا اور یقین کیجیے اگر وہ نہ ہوتے تو میں تمھیں بھی پیدا نہ کرتا۔[53]

ان احادیث سے استدلال کرتے ہوئے علامہ اسماعیل حقّی فرماتے ہیں: جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اجسام میں سب سے پہلے عرش اور ارواح میں سب سے پہلے ہمارے نبی اکرم ﷺ کی روحِ اقدس پیدا کی گئی۔اسی نسبت سے آپ ﷺ کو عقلِ اول اور فلکِ اعلیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔[54]

محدثین میں سے علامہ شوکانی، علامہ طاہر الہندی، علامہ عجلونی، ملا علی القاری، امام صغانی اور مسعود عالم قاسمی نے حدیث ''لولاک لماخلقت الافلاک'' کی تردید کی ہے۔[55]

۱۲۔ اولیاء کرام کے فضائل

علامہ حقّی اولیاء کرام کی حیات کے قائل ہیں۔ایک مقام پر لکھتے ہیں: کبھی خرقِ عادت کے طور پر بوجہِ اظہارِ کرامت بعض انبیاء و اولیاء کے اجسادِ مبارکہ آگ سے محفوظ رہے یا انہیں شہید کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا۔مزارات میں انبیاء و اولیاء کے اجسادِ ظاہرہ کو مٹّی نہیں کھاتی یعنی ان کے اجسادِ ظاہرہ مزارات میں محفوظ و مامون ہوتے ہیں۔

علامہ حقیؒ نے اولیاء کرام کی اقسام میں سے ابدال، قطب اور اوتاد پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔اولیاء کرام کی علامات بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ سلمی سے پوچھا گیا کہ اولیاء کرام کی کوئی علامت بھی ہے جس سے ہم

53۔ قاضی عیاض، ابو الفضل عیاض بن موسیٰ،الشفاء بتعریفِ حقوقِ مصطفیٰ، تحقیق: علی محمد البجاوی، مطبعہ عیسیٰ البابی و شرکاؤہ، قاہرہ،۱۳۹۸ھ،۱۹۷۷ء، ج:۱،ص:۲۲۸۔ الھیثمی، نورالدین ابوالحسن علی بن ابی بکر، مجمع البحرین فی زوائد المعجمین، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان،۱۹۹۸ء، ج:۳،ص ۳۵۸ ؛النبہانی، یوسف بن اسماعیل، جواہر البحار فی فضائل النبی المختار ﷺ، شرکہ مکتبہ ومطبعہ مصطفی البابی الحلبی واولادہ بمصر،۱۹۶۰ء، ج:۱،ص ۲۵۵۔ج:۲،ص: ۲۲۵

54۔ تفسیر روح البیان، ج:۴،ص:۹۹

55۔ علی الھندی، محمد طاہر بن علی،تذکرۃ الموضوعات وفی ذیلھا قانون الموضوعات والضعفاء، ادارۃ الطباعیہ المنیریہ بمصر ۱۳۴۳ھ،ص ۱۶۔العجلونی ،اسماعیل بن محمد، کشف الخفاء و مزیل الالباس عما اشتہر من الاحادیث، مؤسسہ مناھل العرفان بیروت،ج: ۲،ص:۱۶۴۔الشوکانی، محمد بن علی،الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ، تحقیق: عبدالرحمن بن یحییٰ الیمانی، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان،۱۳۸۰ھ۔۱۹۶۰ء،ص ۳۲۶

انہیں پہچان سکیں کہ واقعی یہ اولیاءاللہ ہیں۔ فرمایا: ان کا کلام نرم اور حسنِ خلق میں یکتا اور چہرے پر بشاشت ٹپکتی ہے۔اور وہ سخاوت کرتے ہیں اور ہر ایک سے شفقت سے پیش آتے ہیں اور ہر ایک کا عذر قبول کر لیتے ہیں۔[56]

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: میرے شیخ نے فرمایا کہ اولیاء کرام جیسے قطب وجود کی صورت میں شیطان نہیں آسکتا ۔اس لیے کہ وہ نبی علیہ السلام کا مظہر ہوتا ہے اور آپ ﷺ کی صورت و سیرت کا نمونہ ہوتا ہے۔[57] علامہ حقّیؒ کراماتِ اولیاء کے قائل ہیں۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں کرامت کی تعریف، اثبات اور اولیاء کرام کی کرامات کو اکثر و بیشتر مقامات پر بیان فرمایا ہے۔ کشف الاسرار کے حوالے سے لکھتے ہیں: " کشفِ اسرار میں ہے کہ کرامت کبھی ولی اللہ کے اختیار اور اس کی دعا سے صادر ہوتی ہے اور کبھی اس کے اختیار کے بغیر۔"[58]

۱۳۔ سماع کی بحث

علامہ اسماعیل حقّیؒ سماع پر بحث کرتے ہوئے اس کی تعریف اور اس کے متعلق علماء کرام کی آراء بیان فرماتے ہیں۔ اگرچہ آپ شرائط کے ساتھ سماع کے جواز کے قائل ہیں لیکن رقص کی تردید فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: "حضرت شیخ الشہیر نے فرمایا کہ ہمارے شیخ حاجی بیرام کے طریقہ میں توحید کے حال کے وقت رقص کا کوئی طریقہ نہیں اور نہ ہی ان کی طریقت میں رقص کا کوئی جواز ہے۔ ہاں بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر ہم ذکر ضرور کرتے ہیں اور اس میں بھی ہم رقص نہیں کرتے اور ایسے ذکر کا حکم قرآنِ مجید میں ہے۔ الذین یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً و علٰی جنوبھم۔[59]

۱۴۔ صوفیانہ اجنبی اصطلاحات کا استعمال

مؤلفؒ نے اپنی تفسیر میں کچھ اجنبی اصطلاحات کا بھی استعمال فرمایا ہے۔ ان اصطلاحات کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ مسیحیّت سے ماخوذ اصطلاحات ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر عبدالرحمن بدوی تحریر فرماتے ہیں:

56۔ تفسیر روح البیان، ج: ۲، ص: ۴۱۲

57۔ تفسیر روح البیان، ج: ۳، ص: ۲۹۸

58۔ روح البیان، ج: ۶، ص: ۳۵۰

59۔ تفسیر روح البیان، ج: ۸، ص: ۵۱۴

"صوفیاء کرام نے بہت سی اجنبی اصطلاحات کو دینی رنگ دے کر ان کا اقتباس کیا ہے۔اور صوفیاء کرام نے ان اصطلاحات کو رواج دیا ہے اور ان کا استعمال کیا ہے۔ان اصطلاحات کے بارے میں کوئی شک نہیں کہ ان کے حروف،الفاظ،معانی اور ان کے مدلولات مسیحیت سے ماخوذ ہیں۔جیسا کہ لاھوت،جبروت،ربّانی،روحانی،نفسانی،چشمانی،شعشانی،وحدانیہ،مردانیہ،رہبانیہ،عبودیہ،ربونیہ، ناسوت،اورالوھیہ وغیرہ۔"[60]

علامہ حقّیؒ نے آیات کریمہ کی تفسیر کے دوران ان اصطلاحات کا استعمال کیا ہے۔مثلاًارشادِ باری تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدِ افْتَرٰی اِثْمًا عَظِیْمًا[61] کے تحت لکھتے ہیں:"یقول: توبته بالوحدة هی فناء الناسوتية فی بقاء اللّا هو تية۔"

اسی طرح هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰی اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَہٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ[62] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:"یقول:وهو طین المادّة الهيولانية۔"[63]

اسی طرح دیگر کئی مقامات پر بھی مؤلف نے ان اصطلاحات کا استعمال کیا ہے۔

۱۵۔ اسرائیلیات کا بیان

تفسیرِ ھذا میں اسرائیلی روایات کی کثرت پائی جاتی ہے۔مؤلف نے بے شمار مقامات پر ان روایات کو بیان فرمایا ہے۔بعض روایات کی تردید فرمائی ہے اور کئی مقامات پر عجیب وغریب روایات کو ذکر فرمایا ہے مگر نکیر نہیں فرمائی۔بسااوقات ان واقعات کی توجیہات بھی بیان کی ہیں۔

60۔ عبدالرحمن بدوی،دکتور،تاریخ التصوّف الاسلامی،الشعاع للنشر والتوزیع،۲۰۰۸،ص،۳۳۳

61۔ سورۃالنسآء:۴۸

62۔ سورۃالانعام:۲

63۔ تفسیر روح البیان،ج:۷،ص۱۰۷

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ۔

قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ۔فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ وَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ [64]

اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: حضرت یوسف کے متعلق جب ان کے بھائیوں کا اصرار بانکرار اور عہدِ معاہدہ پر سخت قسم کی پختگی حضرتِ یعقوب نے دیکھی اور خود حضرت یوسف کا سیر وسیاحت کا ارادہ بھی ملاحظہ فرمایا تو قضاءِ الٰہی کے سامنے سر جھکا کر پیارے بچےؑ کو بھائیوں کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی اور حکم فرمایا کہ یوسف کو نہلائیں اور نئے کپڑے پہنائیں۔ حضرتِ جبرائیل حضرت یوسف کے غسل کے لیے بہشت سے وہی فعال لائے جو ابراہیم کے لیے فدا ہونے والے دنبے کے لیے لائے اور اسی میں ذبح کردہ خون کو محفوظ کر لیا گیا۔ یعقوبؑ نے فرمایا میرے پیارے یوسف کو کنگھا کرو اور وہی تیل لگاؤ جو جبرائیل اسماعیل کے لیے بہشت سے لائے تھے اور یوسف کو تیل، سرمہ لگایا، نہلایا دھلایا اور نئے کپڑے پہنائے گئے۔ مروی ہے کہ جب ابراہیم کو آگ میں ڈالا جارہا تھا تو آپ کے کپڑے اتار لیے گئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کو بھیجا کہ انہیں ریشمی پوشاک پہناؤ۔ اور جب ابراہیم ریشمی پوشاک سمیت آگ سے محفوظ رہے تو وہی قمیض آپ نے اسحاق کو دی اور یعقوب نے اس کا تعویذ بنا کر اس کو یوسفؑ کے گلے میں لٹکایا۔"[65]

مؤلف نے مذکورہ بالا روایت نقل کی ہے لیکن اس کی کوئی تردید نہیں کی۔ بعد ازاں آپ نے ایک اور روایت نقل کی ہے اور اسکے بعد اس کا ردّ بھی کیا ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں: "علامہ کاشفیؒ نے فرمایا کہ مشہور یہ ہے کہ سلیمان کی انگشتری صخر جن کے ہاتھ لگ گئی۔ وہ چالیس دن تک تختِ سلیمان پر بیٹھا رہا۔ پھر قدرت نے وہی انگشتری سلیمان کو واپس لوٹا دی تو اسی طرح کی شاندار مملکت آپ کے ہاتھ آئی۔ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ ہم نے سلیمانؑ کو ملک کے بارے میں آزمایا اور ان کے تخت پر ایک جسم ڈال دیا یعنی وہ جس نے سلیمان کی انگشتری لی تھی اور تخت نشین ہو گیا یعنی صخر جن کو جو دریاؤں کے امور پر مامور تھا۔ یہ ہی تمام اقوال سے زیادہ مشہور ہے۔"[66]

64۔ سورۃ یوسف،۱۵،۱۴

65۔ روح البیان، ج:۴، ص:۲۲۲

66۔ تفسیر روح البیان، ج:۸، ص ۳۲۔۳۳

اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد صاحبِ روح البیان فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ اگرچہ مشہور ہے اور عرب و عجم کے مصنّفین کی تصانیف واشعار میں بکثرت مشہور ہے لیکن یہ کسی حد تک صحیح نہیں بلکہ یقیناً کہا جاسکتا ہے کہ یہ بالکل غلط ہے اور قطعی غلط ہے۔ مؤلف نے اس کے غلط ہونے کی پانچ وجوہ بھی بتائی ہیں۔

۱۶۔ استفہامیہ طرزِ استدلال

علامہ اسماعیل حقّیؒ نے آیاتِ قرآنیہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے استفہامیہ طرزِ استدلال اپنایا ہے۔ تشریح و توضیح کے ضمن میں یہ طریقِ کار نہایت مفید ہے۔ چند امثال درج ذیل ہیں۔ حضرت داؤدؑ کے تذکرہ میں ایک سوال اٹھاتے ہیں: اہلِ حقیقت کے نزدیک ہر شے قولی تسبیح پڑھتی ہے جسے لفظِ صریح سے اہل اللہ سنتے ہیں اور اہلِ مشاہدہ آنکھوں سے دیکھتے ہیں پھر داؤد کی خصوصیت کا کیا معنیٰ؟

جواب: خرقِ عادت کے طور پر ان کا داؤد کے ساتھ تسبیح میں مشغول ہونا جیسا کہ لفظ مع سے معلوم ہوتا ہے۔ یہی خصوصیت تھی جو حضرتِ داؤد کو عطا ہوئی۔[67]

واقعہ ذبحِ اسماعیل میں ایک سوال اٹھاتے ہیں: "اسئلۃ الحکم میں ہے کہ ذبح کو عظیم کیوں کہا؟ حالانکہ دوسرے جانور مثلاً گائے، اونٹ عظیم تر ہیں اور پھر دنبہ صرف ایک کی طرف سے ہوتا ہے اور ان میں سات افراد شامل ہوتے ہیں؟

جواب: دنبے اور نفس مسلمہ فانی فی اللہ کو آپس میں مناسبتِ تامہ ہے اس لیے کہ وہ صرف ذبح کے لیے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آخرت میں موت کو دنبے کی شکل میں پل صراط پر کھڑا کر کے ذبح کیا جائے گا۔ ایسے ہی نفسِ مسلمہ فنا کلی اور تسلیم وانقیاد کے لیے سر خم کر دیتا ہے۔ اس معنیٰ پر اللہ تعالیٰ نے اسے عظیم کہا۔ اور ظاہر ہے کہ ہر شے کی فضیلت صورت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے معنیٰ کی وجہ سے ہوتی ہے کیونکہ صورت کی فضیلت معنیٰ کے تابع ہوا کرتی ہے اور دنبے کے علاوہ دوسری قربانیاں مثلاً گائے اونٹ وغیرہ سے مقصود صرف ذبح نہیں بلکہ ان سے اور بھی کام لیا جاتا ہے۔ مثلاً ان پر سوار ہونا، بوجھ لادنا بلکہ یہی ان کا مقصود ہے۔"[68]

67۔ تفسیر روح البیان، ج: ۷، ص: ۲۶۶

68۔ روح البیان، ج: ۶، ص: ۴۷۶۔۴۷۷

خلاصہ بحث

علامہ اسماعیل حقّی کی تفسیرِ روح البیان بنیادی طور پر تفسیرِ اشاری ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپ کی تفسیر میں عقیدہ وحدت الوجود کے نظریے کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔اسی طرح تصوّف کے دیگر مباحث مثلاً حقیقتِ محمدیہ ﷺ کی بحث بھی کئی ایک مقامات پر موجود ہے۔ فقہی مسائل کے بیان میں آپ نے فقہِ حنفی کے مسلک کو اختیار فرمایا ہے۔علوم القرآن کے مباحث مثلاً اسبابِ نزول، ناسخ و منسوخ اور مبہماتِ قرآن کو تفصیلاً بیان فرماتے ہیں۔علامہ حقیؒ نے متعدد مقامات پر مختلف قرأتوں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔مؤلف نے ضعیف اور اسرائیلی روایات بھی بیان فرمائی ہیں۔ان میں سے بعض کی تردید فرمائی ہے۔اور بعض بیان تو کر دی ہیں لیکن کوئی تنقید و تبصرہ نہیں کیا۔ تفسیرِ ھذا میں بلاغی مباحث بھی موجود ہیں مثلاً استعارہ، کنایہ تعریض وغیرہ کا حسبِ موقع تذکرہ کیا ہے۔الغرض تفسیرِ روح البیان صوفیانہ طرز پر لکھی ہوئی تفسیر ہے۔اس کے ساتھ ساتھ تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے کا بھی احاطہ کیے ہوئے ہے۔